علم کلام میں

مولانا مودودیؒ

کے افادات

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

علم کلام میں
مولانا مودودیؒ کے افادات

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۹۸۳

نام کتاب : علم کلام میں مولانا مودودیؒ کے افادات

مصنف : ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری

صفحات : ۲۰

اشاعت : نومبر ۲۰۰۷ء

تعداد : ۱،۱۰۰

قیمت : ۱۰/- روپے

ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸

E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in

Website: www. mmipublishers.net

مطبوعہ : ریجنٹ پرنٹنگ پریس، نئی دہلی ۔ ۳

ILM-E-KALAM MEIN

MAULANA MAUDOODI KE AFADAT (Urdu)

By: Dr. Muhammad Abdul Haq Ansari

Pages:20

Price: Rs. 10.00

علم کلام میں مولانا مودودیؒ کے افادات

''فقہ اور علم کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے، جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے۔[1]''

یہ الفاظ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے، اگست ۱۹۴۱ میں لاہور میں منعقد ہونے والے اس اجتماع کی آخری نشست میں کہے تھے، جس میں جماعت اسلامی کی تاسیس ہوئی تھی اور مولانا مودودی کو اس کا امیر منتخب کیا گیا تھا۔ پیش نظر مقالے میں مولانا مودودی کے اس اسلوبِ فکر کے تعین کی کوشش کی جائے گی، جسے انھوں نے اپنی کلامی تحریروں میں اختیار کیا ہے اور ان تصورات و نظریات سے بحث کی جائے گی، جنھیں مولانا نے مختلف مسائل میں پیش کیا ہے، تا کہ علمِ کلام میں ان کے افادات کا مقام متعین کیا جا سکے۔

علمِ کلام میں مولانا مودودی کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، لیکن انھوں نے اپنی چند تحریروں میں بعض مخصوص مسائل سے بحث کی ہے۔ یہ تحریریں کچھ تو کتابچوں کی صورت میں ہیں، جیسے مسئلۂ جبر وقدر، یا پھر مقالات پر مشتمل ہیں، مثلاً: 'عقل کا فیصلہ' جس میں وجود باری تعالیٰ کا اثبات ہے، یا مثلاً: نبوت محمدیؐ کا عقلی ثبوت اور زندگی بعد موت۔ ان کے علاوہ مولانا سے پوچھے گئے بعض سوالات کے جوابات رسائل و مسائل کی پانچ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ مزید برآں، ان کی بلند پایہ تفسیر تفہیم القرآن میں بعض آیات کی تشریحات کے وہ حصے ہیں، جن میں انھوں نے کلام پاک کے ان دلائل و براہین کی توضیح کی ہے، جن کا تعلق ایمانیات سے ہے۔ ان کی کتاب اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی میں بھی وجود باری تعالیٰ، ایمان باللہ، نبوت اور حیات

۱۔ روداد جماعت اسلامی، اول۔ شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی پاکستان، لاہور، ۱۹۶۹، ص ۳۴

بعد الموت پر بحث کی گئی ہے۔ ان کا مقالہ قادیانی مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولانا مودودی کا کلامی اسلوب

کلامی تحریروں میں مولانا مودودی نے جو اسلوب یا منہاج اختیار کیا ہے، اس کی بہتر تفہیم کے لیے ان کی فکری نشو ونما پر ایک نظر ڈالنا مفید ہوگا۔

مولانا مودودی نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر اورنگ آباد کے ایک عربی مدرسے سے حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے دہلی کے اعلیٰ ترین دینی مدارس میں، اپنے وقت کے سرکردہ علما کی زیرنگرانی حصولِ تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ سترہ سال کی عمر میں جب انھوں نے مدارس میں رائج نصاب کے مطابق عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل مکمل کر لی تو کلام اور فلسفے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ فلسفے کے خیر آبادی مکتب فکر کے ایک مستند عالم مولانا عبدالسلام نیازی (م: ۱۹۵۴) کی رہبری میں، انھوں نے ان علوم کی بہترین کتابوں کا مطالعہ کیا۔ بعد میں انھوں نے محمد المعروف بہ صدر الدین شیرازی [م: ۱۶۴۰] کی الاسفار الاربعة [الحکمة المتعالیه فی الاسفار العقلیه] کے ایک حصے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ اسی دوران انھوں نے انگریزی کی دو کتابوں کو بھی اردو میں منتقل کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک انھوں نے انگریزی زبان پر بھی خاصی دسترس حاصل کر لی تھی۔

بعد ازاں انھوں نے اپنی توجہ، مغرب کے عمرانی علوم پر مرتکز کی اور پورے پانچ برس سیاسیات، تاریخ اور عمرانیات کی اہم تصانیف کے مطالعے میں صرف کیے۔ انھوں نے مغربی اور مشرقی مذاہب سے بھی واقفیت حاصل کی اور ان مذاہب کے بنیادی صحیفوں کا مطالعہ کیا۔(۲)

لیکن ان سب سے بڑھ کر جس چیز نے ان کے خیالات کو ایک خاص رخ عطا کیا اور ان کے ذوق کی تربیت کی، وہ قرآن مجید کا گہرا مطالعہ اور لمبے عرصے تک اس پر غور و فکر تھی۔ وہ

(۲) مظفر بیگ، ہفت روزہ آئین لاہور، تفہیم القرآن نمبر۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲، ص ۱۲، ۱۳

اقرار کرتے ہیں کہ جس کتاب نے میری زندگی اور خیالات کو یکسر بدل دیا، وہ قرآن حکیم ہے۔ مولانا مودودی کے الفاظ یہ ہیں:

> ''میری اصل محسن بس یہی ایک کتاب ہے، اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا، حیوان سے انسان بنا دیا، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئی۔ ایسا چراغ میرے ہاتھ میں دے دیا کہ زندگی کے جس معاملے کی طرف نظر ڈالتا ہوں، حقیقت اس طرح برملا مجھے دکھائی دیتی ہے کہ گویا اس پر کوئی پردہ ہی نہیں ہے۔ جس خدا نے یہ کتاب بخشی ہے، اس کا شکر ادا کرنے سے میری زبان عاجز ہے۔(۳)''

علمِ کلام کی تمام معتبر کتابوں میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مابعد الطبیعیاتی مسائل میں قطعی دلائل کے ذریعے یقینی علم کا حصول ممکن ہے۔ یہ بات علمِ کلام کی ہر مستند تصنیف کے پہلے ہی باب کی بحثوں سے، جہاں ''علم کی حقیقت'' سے بحث کی جاتی ہے، واضح ہو جاتی ہے۔ مسلمان فلاسفہ اس تیقّن میں برابر کے شریک تھے۔ دراصل متکلمین نے یہ نظریہ انھی حضرات سے اخذ کیا تھا۔

امام غزالی (م:۱۱۱۱) وہ مفکر تھے، جنھوں نے اس مفروضے کو چیلنج کیا۔ تنقیدِ فلسفہ میں اپنی بے مثل تصنیف ''تہافۃ الفلاسفۃ'' میں انھوں نے یہ ثابت کیا کہ صرف عقلی دلیل کے سہارے، مابعد الطبیعیاتی مسائل میں علمِ قطعی کا حصول ناممکن ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ علمِ کلام پر ان کی اپنی تصنیف **الاقتصاد فی الاعتقاد** میں اس دریافت کے اثرات نظر نہیں آتے۔ زمانۂ مابعد کے متکلمین، فلسفے پر امام غزالی کی تنقید سے صرفِ نظر کرتے ہوئے پرانی نہج پر قائم رہے۔ مولانا مودودی نے یہ روش نہیں اختیار کی۔ وہ امام غزالی کی **تہافۃ الفلاسفۃ** کے مدّاح ہیں۔(۴)

اسی طرح وہ کانٹ (Kant) کی *Critique of Pure Reason* (تنقیدِ عقلِ محض) سے بھی بے حد متاثر ہیں۔ لیکن مابعد الطبیعیاتی مسائل میں عقل کی نارسائی کے بارے میں قطعی

---

(۳) مولانا محمد عمران خاں ندوی (مرتب): مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۹ء، ص ۱۵۷، ۱۵۸

(۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی: تجدید و احیائے دین۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۶۳

رائے قائم کرنے پر مولانا مودودی کو، جس چیز نے آمادہ کیا، وہ قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ ماورائی حقائق کے علم کا واحد ذریعہ، خود اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کا انکشاف اور تعارف ہے۔

جب سے انسان اس دنیا میں وارد ہوا ہے، تب سے اللہ تعالیٰ مختلف اوقات اور مختلف ممالک میں اپنی ذات، اپنے وجود اور اپنے دین سے متعلق، اپنے منتخب بندوں پر مسلسل وحی بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے بذریعۂ وحی انسان کو بتایا ہے کہ وہی خالقِ کائنات ہے، وہی حاکمِ مطلق ہے، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور وہی اس کا آقا و مولیٰ ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اس کی حمد و ثنا کرے اور اسی کی عبادت کرے، زندگی اسی کی منشا کے مطابق بسر کرے اور یہ کہ وہ انسان کو موت کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور اس کو اپنے احکام کی تعمیل یا نافرمانی پر جزا یا سزا دے گا۔

پیغمبر کے لیے وحی، ایک ذاتی تجربے کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں وہ ماورائی حقائق اور حیاتِ انسانی کے لیے رہبر اصولوں کا براہِ راست ادراک کرتا ہے، مگر وہ لوگ جو وحی پر یقین کرتے ہیں، ان کے لیے یہ ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ انسان کی عقل صرف یہ کر سکتی ہے کہ وحی کے حقیقی ہونے کی تصدیق کرے اور اس امر کا فیصلہ کرے کہ جو کچھ وحی کی معرفت ظاہر کیا گیا ہے، وہ قرینِ عقل اور قابلِ قبول ہے اور اس قابل ہے کہ متبادل ذرائع کے مقابلے میں ایک بہتر زندگی اور برتر معاشرے کی تخلیق کر سکے۔ دوسرے لفظوں میں، وحی پر ایمان لانے والے کو یہ تحقیق کرنا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو نزولِ وحی کا دعوے دار ہے، کیا واقعی اس پر وحی نازل ہوئی تھی؟ ساتھ ہی وہ اس بات کا جائزہ بھی لیتا ہے کہ وحیِ باریِ تعالیٰ، کائنات اور انسان کے متعلق جو کچھ ظاہر کرتی ہے، کیا وہ دوسرے متبادلات کے مقابلے میں زیادہ معقول اور قابلِ اعتبار ہے؟ اور جہاں تک علمی زندگی کا تعلق ہے، کیا تعلیماتِ وحی، بہتر زندگی اور برتر معاشرے کی ضمانت دیتی ہیں؟

مولانا مودودی نے وحی کی فضیلت کو پرکھنے کے لیے یہ آخری دو معیار، قرآن حکیم کی سورۂ ابراہیم کی آیات ۲۴ تا ۲۷ سے اخذ کیے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کو ایک ایسے شجرِ طیبہ سے تشبیہ دی ہے، جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں

اور جو ہر آن اپنے رب کے حکم سے پھل لاتا ہے، جب کہ کلمہ خبیثہ کی مثال اس بدذات درخت کی سی ہے، جس کی جڑیں زمین کی سطح پر ہی ہوتی ہیں اور اسے استحکام نہیں ہوتا(۵)

تجربیت (pragmatism) کے مطالعے نے بھی، مولانا مودودی کے اس تیقن کو استحکام بخشا ہوگا۔ مولانا کے خیال میں عقلی طور پر قابل قبول یقین کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ وہ قوانینِ منطق کو مجروح اور سائنسی حقائق کی نفی نہ کرے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی فطرت سے بھی مطابقت رکھتا ہو(۶)

ہمارے عہد کے علمی حلقوں میں رائج اعتقاد کے برعکس، مولانا مودودی کے نزدیک انسان کی ایک مخصوص فطرت ہے، جس پر ہر بچے کی پیدائش ہوتی ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ انسان صرف ایک جسمانی وجود نہیں ہے، اسے عقلی صلاحیت بھی بخشی گئی ہے، جو معقول اور غیر معقول میں تمیز کرتی ہے۔ پھر اسے ایک اخلاقی حس بھی دی گئی ہے، جو نیک و بد میں امتیاز کرتی ہے۔ اسی طرح اسے ایک روحانی ملکہ بھی عطا ہوا ہے، جو اسے انسانی حیات کی اصل، اس کی معنویت اور اس کی آخری غایت کی جستجو پر مائل کرتا ہے۔ انسان کو ایک فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام خواہشات۔ (حیاتیاتی، نفسیاتی، سماجی، اخلاقی اور روحانی) کی تکمیل، صرف اس نوع کی زندگی میں ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ فطرت کے مطابق بسر ہو۔

جو شخص وحی الٰہی پر یقین رکھتا ہے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے لیے ماورائی حقائق، صرف ایمان کا معاملہ نہیں رہتے، بلکہ اس کے تجربے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ وہ انھیں دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے اور اس سے تعامل بھی کرتا ہے۔ وہ ایک حد تک ان حقیقتوں کے اس براہِ راست علم میں شریک بن جاتا ہے، جو پیغمبر کو عطا کیا جاتا ہے۔ اس شرکت کا معیار مختلف افراد میں، پیغمبر خدا کے اتباع میں درجات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے(۷)

---

(۵) سید مودودی: تفہیم القرآن، دوم۔ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی، ۱۹۶۳، ص ۴۸۴

(۶) ایضاً، سوم، ص ۷۵۲

(۷) سید مودودی: مسئلۂ جبر و قدر۔ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۳

مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں باقاعدہ موضوع بنا کر اپنے کلامی اسلوب پر کہیں روشنی نہیں ڈالی ہے، لیکن مختلف مباحث میں متعدد مقامات پر وہ ایک آدھ نکتہ بیان کر جاتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں انھی نکات کو یکجا کر کے ایک اسلوب کی شکل دی گئی ہے۔ غالباً مولانا مودودی کے پیشِ نظر یہی اسلوب تھا۔ دوسری بات، جو واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا نے نظری مباحث کے مقابلے میں عملی مسائل کو زیادہ پیش نظر رکھا ہے۔ مثلاً صفاتِ الٰہیہ کے مباحث میں وہ ان صفات پر توجہ مبذول کرتے ہیں، جو حیاتِ انسانی کی عملی تشکیل سے تعلق رکھتی ہیں اور خالص نظری مسائل مثلاً: صفاتِ حق، عینِ ذات ہیں یا غیرِ ذات، ان سے نہیں الجھتے، جس کی طرف علامہ اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے ع

ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟

باری تعالیٰ

متکلمین نے وجودِ باری تعالیٰ سے متعلق بہت سے دلائل دیے ہیں۔ سب سے مقبول اور معروف دلیل یہ ہے:

کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے، وہ اجزا پر مشتمل ہے۔ ان اجزا کو جس طرح باہم ترکیب دیا گیا ہے، وہ خود اشیا کا اپنا فعل یا عمل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ ترکیب لازماً ان اشیا سے ماورا کہیں اور سے صادر ہوگی اور جہاں سے یہ ترکیب صادر ہوگی، وہ وجود باری تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کو ''برہانِ ترکیبی'' کہا جاتا ہے۔ اسے بہت سے متکلمین نے پوری وضاحت اور زورِ بیان کے ساتھ دہرایا ہے۔ لیکن یہ دلیل زیادہ سے زیادہ ایک ایسے وجود کی نشان دہی کرتی ہے، جو اجزا کو ترکیب دیتا ہے یا اشیا کا صانع ہے۔ یہ اُس اللہ کے وجود پر گواہی نہیں دیتی، جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ جو مختلف اشیا کا صانع ہی نہیں، بلکہ اس انتہائی پیچیدہ کائنات کا خالق بھی ہے اور خالق ہی نہیں، اس کا مدبّر اور قیّوم بھی ہے۔ مزید برآں، وہی آقا و مالک ہے، اس کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کی اطاعت، خوف و محبت کے جذبات کے ساتھ کرنی چاہیے۔ دوسرے دلائل، جو

متکلمین نے وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق پیش کیے ہیں، وہ اس دلیل سے بہتر نہیں ہیں۔ امام ابن تیمیہ (م:۱۳۲۸)، سلفی مسلک کے ایک مشہور عالم ہیں۔ انھوں نے اس ترکیبی دلیل کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تخلیق۔ کے قرآنی تصور کا صرف ایک جز ہے۔(۸)

مولانا مودودی نے تخلیق کے مسئلے کا تفصیلی جائزہ اپنے مضمون ''عقل کا فیصلہ'' میں لیا ہے۔ پہلے وہ کائنات کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں یعنی اس کی لامتناہی وسعت، بے انتہا پیچیدگی، اجزا میں مکمل ہم آہنگی، لاکھوں کروڑوں سال سے سارے نظام کی منظم کارکردگی، ہر چیز کے لیے مکمل اہتمام اور اس کائنات کا سحر انگیز حسن و جمال! پھر وہ ان مختلف آرا کا احاطہ کرتے ہیں، جو اس کارخانے کی تخلیق اور اس کی فضیلت کے ضمن میں پیش کی گئی ہیں:

- اول یہ کہ، یہ کائنات، ازل ہی سے ازخود اسی طرح موجود ہے۔
- دوم یہ کہ وہ مواد، جس سے کائنات نے ترکیب پائی ہے، ازخود باہم وجود پذیر ہوگیا تھا۔
- سوم یہ کہ، اسے مختلف کار پردازان نے باہمی تعاون سے وجود بخشا اور اب وہی اس کے منتظم ہیں۔
- چہارم یہ کہ، ہم وثوق سے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، لہٰذا ہمیں اس سے تعرض نہیں کرنا چاہیے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ ان نقطہ ہائے نظر کے برعکس ایک اور نقطۂ نظر موجود ہے، جسے ابتدائے آفرینش ہی سے بہت سے لوگ دہراتے چلے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت، نہ تو ازخود وجود پذیر ہوا ہے، نہ یہ ان اجزا کا مرکب ہے، جو باہم ازخود ترکیب پا گئے اور نہ اسے ایک سے زیادہ کارکنان چلا رہے ہیں۔ اس کی تخلیق اور اس کی تنظیم و تدبیر صرف ایک علیم و خبیر، حکیم و دانا، قادرِ مطلق اور رحیم و کریم، اللہ کی مرہونِ منت ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

(۸) ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری: Ibn-e-Taymiyah Expounds on Islam,pp: XLI - XLII۔ اسلامک یونی ورسٹی، ریاض

خود اللہ نے انھیں اس حقیقت سے آگاہی بخشی ہے، اس کارخانہ قدرت میں اپنی عمل داری کی ایک جھلک ان کو دکھائی ہے اور انھیں اس پر مامور کیا ہے، کہ وہ اس حقیقت سے اس کے بندوں کو بھی آگاہ کردیں۔

مولانا مودودی، ان سب آرا کا جائزہ لینے کے بعد، یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں نے وقتاً فوقتاً ایک ہی رائے کا اعادہ کیا ہے اور یہی رائے سب سے زیادہ مدلل اور قابل قبول ہے۔

پہلی دو آرا کے متعلق مولانا مودودی کہتے ہیں کہ جب ہم ایک معمولی کارخانے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ازخود وجود میں آ گیا ہے اور اس کے مختلف اجزا، ازخود آپس میں باہم مربوط ہو گئے ہیں، تو پھر ایک لامتناہی طور پر وسیع اور پیچیدہ کائنات سے متعلق یہ کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ازخود موجود ہے یا اس نے خود اپنے آپ کو اس مواد سے ترکیب دے لیا ہے، جن سے وہ بنا ہے۔ اسی طرح ہر جز کی مکمل ترکیب، مختلف اجزا کی حیرت انگیز ہم آہنگی اور اس سارے نظام کی کروڑوں سال پر محیط اور متوازن کارروائی، اس امکان کو بھی یکسر مسترد کر دیتی ہے کہ اس کو تخلیق کرنے اور چلانے والی ایک ہستی نہیں، بلکہ اس سے زیادہ ہستیاں ہوں گی۔ جہاں تک کسی رائے کے اظہار سے گریز یا لاادریّت (Agnosticism) کا تعلق ہے تو یہ بھی کوئی معقول رویہ نہیں، کیونکہ زیرِ غور مبحث، صرف نظری حیثیت کا حامل نہیں کہ اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے یا نہ کرنے سے زندگی میں فرق نہ پڑتا ہو۔ ایک خالق کے متعلق فیصلے کو معرضِ التوا میں ڈالنے کا مطلب، اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے وجود کا انکار کیا جا رہا ہے۔ دراصل یہ انکار یا التوا باقی تین متذکرہ بالا آرا میں سے کسی ایک سے اتفاق کرنے کا اشارہ بھی دیتا ہے۔

اب ہمارے پاس صرف ایک ہی متبادل رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم یہ اقرار کرلیں کہ کائنات کو ایک علیم و خبیر اور قادر مطلق خالق نے وجود بخشا ہے اور وہی بلاشرکت غیرے اس کا منتظم اور منصرم ہے۔ کائنات کی تخلیق اور اسے چلانے میں کوئی دوسرا اس کا شریک و ساجھی نہیں ہے۔

وحی

کلام کی کتابوں میں نبوت (Prophecy) سے متعلق جو بحث ملتی ہے، اس میں نفسِ نبوت سے بحث، کم ہوتی ہے، زیادہ تر گفتگو دعویٰ نبوت کی تصدیق یا اثبات سے متعلق رہتی ہے اور اس مقصد کے لیے معجزوں پر تکیہ کیا جاتا ہے اور بحث زیادہ تر نبی کے معجزے، اولیا کی کرامات، جادوگروں کے ٹونے ٹوٹکے اور بازی گروں کے ہتھکنڈوں کے درمیان فرق پر مرتکز رہتی ہے۔

نبوت کی تصدیق کے لیے، نبی کی زندگی اور تعلیمات کے بجائے، معجزوں کو معیار بنانے کا اصل سبب یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے والے مصنفین، زیادہ تر اشعری مکتب فکر کے حامل رہے ہیں، جن کے نزدیک نیک و بد اور خیر وشر کے علم میں عقل کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ ان کی حقیقت کو جاننے کا واحد ذریعہ، ان کے نزدیک وحیِ نبوت ہے۔ لہٰذا نبوت کے دعوے کی تصدیق کے لیے عقل سے استفادے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی جانچ پرکھ میں معجزات کے علاوہ، ان کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

اگرچہ ماتریدی متکلمین، خیر وشر کے علم کے مسئلے میں اشاعرہ سے مختلف رائے رکھتے ہیں اور معتزلہ کی طرح اس کے عقلی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن اپنی تصانیف میں وہ بھی دعویٰ نبوت کے ثبوت میں معجزات کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔ سلفی متکلم ابن تیمیہ ہی وہ واحد شخص ہیں، جنھوں نے اخلاقی معاملات میں وحی اور عقل دونوں کو ان کا صحیح مقام دیا ہے۔(۹)

اسی طرح وہ دعویٰ نبوت کی تصدیق کے مسئلے میں بھی معجزات کے ساتھ، بلکہ ان سے زیادہ نبی کی زندگی اور پیغام کو اہمیت دیتے ہیں۔

اخلاقی معاملات میں عقل اور وحی کا کیا کردار ہے۔ مولانا مودودی نے اس پر بحث نہیں کی۔ تاہم ان کی تحریروں سے یہ بات واضح ہے کہ وہ دونوں کو یکساں اہمیت دیتے ہیں۔ اس موضوع پر ان کا موقف ابن تیمیہ سے مختلف نہیں ہے۔(۱۰)

---

(۹) سید مودودی: 'عقل کا فیصلہ' مشمولہ تفہیمات' اول۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۸، ص ۹ تا ۱۷

(۱۰) سید مودودی: 'نبوتِ محمدی کا عقلی ثبوت، مشمولہ تفہیمات، اول، ص ۲۳۸ تا ۲۵۵

وہ اپنے مقالے ''نبوت محمدی کا عقلی ثبوت'' میں اس امر سے بحث کرتے ہیں کہ وحی محمدیؐ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ اس بحث میں وہ آنحضورؐ کے معجزوں کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ وحی کے مضمون، آنحضورؐ کی حیات طیبہ، آپؐ کے کارناموں اور انسانی تاریخ پر ان کے اثرات کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں۔

وحی کے متعلق مولانا مودودی دو نکات پر زور دیتے ہیں:

اول، یہ کہ وہ دین، جو وحی کے ذریعے نازل ہوا، یعنی توحید پر ایمان اور حیات بعد الموت پر یقین اور وہ بنیادی اصول، جن پر انسانی زندگی اور معاشرے کو استوار کیا جاتا ہے، یہ وہی اصول ہیں، جن کی تلقین تمام انبیا اور رسل کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ بنیادی باتیں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تعلیمات میں شامل ہیں۔ اگر تعلیمات محمدیؐ اور ان سابقہ مذاہب کی تعلیمات میں، جن کی پیروی ان کے موجودہ نام لیوا کرتے ہیں، کچھ اختلاف ہے، تو یہ اختلاف صرف دو معاملات میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی ان تبدیلیوں اور تحریفات کی تصحیح کرتی ہے، جو سابقہ مذاہب کے پیروکاروں نے بعد میں دین میں کر لیں۔ یا وہ نئے قواعد و شرائع کو پیش کرتی ہے، جن کا بدلتے ہوئے حالات تقاضا کرتے تھے۔

دوسری بات، جو مولانا مودودی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں، وہ اس کی معقولیت ہے اور اس کی یہ صلاحیت ہے کہ اس کے پیش کردہ اصولوں کی مدد سے، ہر اعتبار سے بہتر زندگی اور بہتر معاشرے کی تشکیل ممکن ہے۔ حیاتِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے اس وحی کی صلاحیت کے ثبوت کے طور پر، مولانا مودودی ان عظیم تبدیلیوں کا حوالہ دیتے ہیں، جو تعلیماتِ وحی کے نتیجے میں، اس وقت کے عرب معاشرے میں ظہور پذیر ہوئیں۔ عرب قبائلی معاشرہ ایسے مختلف النوع قبائل پر مشتمل تھا، جن میں باہم جنگ و جدل، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ وہاں کوئی حکومت تھی نہ کوئی ایسا قانون، جو نظم و ضبط قائم رکھ سکتا۔ تعلیماتِ محمدی کے نتیجے میں پورے جزیرہ نما میں ایک متحد

معاشرہ قائم ہو گیا، جس پر ایک ہی حکومت کی عمل داری تھی۔ اُس حکومت کے پاس ایک ہی قانونی ضابطہ تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے تمام شہریوں کو امن وامان کا ایسا ماحول مہیا کیا جائے، جس کی بنیاد عدل وانصاف پر ہو۔

مولانا مودودی اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اس وحی کی تاثیر نے مرد و زن کی زندگیوں کو یکسر بدل دیا۔ توہمات اور بداعتقادی کی بیخ کنی کی۔ ان میں ایک خدا پر ایمان کو مستحکم کر دیا۔ ان کو برائیوں سے پاک کر کے نیکی اور پاکیزگی سے آراستہ کر دیا۔ دوسروں کے خلاف نفرت اور دشمنی کا قلع قمع کر کے، اس کی جگہ ان کی زندگی کو مہر و محبت سے سیراب وشاداب کر دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پیغمبر کے طور پر مبعوث فرمایا ہے، اپنا پیغام آپ کو وحی کیا ہے اور آپ کو اس پیغام کی تعلیم اور ترویج پر مامور فرمایا ہے۔ مولانا مودودی، پیغمبری سے پہلے اور بعد کی حیاتِ طیبہ کا حوالہ دیتے ہیں اور آپؐ کی دیانت داری، صداقت، رحم دلی اور اپنی قوم کے لیے فکر مندی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ ان اوصاف حمیدہ کے لیے، آغازِ وحی سے پہلے بھی اپنے معاشرے میں جانے جاتے تھے۔ مولانا مودودی مزید کہتے ہیں کہ اس نوعیت کا کوئی بھی شخص اپنے ماضی کی روش اور عمومی مزاج سے ہٹ کر، یک دم ایک جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکتا، بالخصوص جب کہ کوئی ذاتی مفاد بھی اس کے سامنے نہ ہو۔ آپؐ کو نہ دولت کی لالچ تھی، نہ قوت واقتدار کی خواہش، اور نہ کوئی اور غرض تھی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب آپؐ کو ان سب چیزوں کی پیش کش کی گئی تھی تو آپؐ نے انھیں یک لخت ٹھکرا دیا اور ان کے مقابلے میں مصائب، تکالیف اور آزمائش کی زندگی کو ترجیح دی۔

اپنی حیات مبارکہ کے آخری دس برسوں کے دوران میں، جب آنحضورؐ پوری قوم کے رہبر و رہنما اور پورے عرب کے حکمراں تھے۔ تمام خزانے، ذرائع و وسائل آپؐ کے تصرف میں تھے، تب بھی آپؐ نے ایک عام عرب کی طرح زندگی بسر کی اور جب آپؐ دنیا سے رخصت

ہوئے تو ترکے میں صرف ایک خچر چھوڑا، جس پر آپ سواری کرتے تھے اور ایک تلوار چھوڑی، جسے آپ اپنی حفاظت کے لیے استعمال فرماتے تھے۔

مزید ثبوت کے لیے قرآن حکیم کا مطالعہ کرنا چاہیے، جس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ آپ پر نازل ہوتا ہے۔ اگر کھلے ذہن سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے تو بقول مولانا مودودی، کسی شخص کے لیے یہ باور کرنا مشکل نہ ہوگا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی تخلیق نہیں ہے، نہ زبان و بیان کے معاملے میں، نہ معانی و مافیہ کے اعتبار سے۔ قرآن حکیم کے معجزاتی اسلوب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مولانا مودودی اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ وہ اپنی توجہ معانی پر مرکوز کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ جس مذہب کی تعلیم قرآن حکیم نے دی ہے، جن اقدار کی وہ تبلیغ کرتا ہے، جو قواعد وضوابط وہ متعین کرتا اور سابقہ اقوام وافراد کے متعلق، جو تاریخی معلومات فراہم کرتا ہے اور مستقبل کے متعلق جو پیش گوئیاں کرتا ہے، کائنات اور انسان کی تکوین کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں، جو انکشافات کرتا ہے، انھیں انسانی ذہن، خاص طور پر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اُمّی (Unlettered) شخص کے ذہن کی تخلیق قرار نہیں دیا جا سکتا، نہ انھیں اس زمانے کے مروجہ علوم سے ماخوذ قرار دیا جا سکتا ہے۔

آخرت

مولانا مودودی کا ایک چھوٹا سا مضمون ''زندگی بعد موت'' ان کے کلامی استدلال کی ایک روشن مثال ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سائنس اس سوال کے جواب سے قاصر ہے کہ آیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ خالصتاً سائنسی بنیادوں پر نہ ہم اس کا اثبات کر سکتے ہیں اور نہ نفی۔ لیکن چونکہ یہ محض ایک نظری مسئلہ نہیں ہے بلکہ زندگی پر اپنے نتائج کے اعتبار سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے ہم نہ تو اس کے متعلق فیصلے کو التوا میں ڈال سکتے ہیں، نہ اس سے صرف نظر کر سکتے ہیں۔ دراصل اس قسم کے مسائل میں غیر جانب داری یا لا ادریت کا رویہ، بالفعل انکار کا درجہ رکھتا ہے۔

موت کے بعد زندگی کی کیا ضرورت ہے؟...... اس سلسلے میں مولانا مودودی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے:

جو اعمال اس دنیا میں ہم سے سرزد ہوتے ہیں، ان کے کچھ قدرتی نتائج ہوتے ہیں اور کچھ اخلاقی۔ قدرتی نتائج کے ظاہر ہونے میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص کسی معصوم فرد پر بندوق داغ دیتا ہے تو وہ فوراً مر جائے گا۔ لیکن اس کے اخلاقی نتائج یا ثمرات (مثلاً یہ کہ قاتل کو سزا ملتی ہے یا نہیں) کا انحصار کئی ایک عوامل پر منحصر ہے: اسے پولیس گرفتار کرتی ہے، عدالت میں اس پر مقدمہ دائر کیا جاتا ہے، اس کا جرم ثابت ہوتا ہے، اسے سزا سنائی جاتی ہے اور پھر اس سزا پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سزا دی جائے لیکن جرم کی سنگینی سے کم تر ہو۔ ایک دوسرا کیس لیجیے۔ ایک شخص ایک پورے خاندان کو مار ڈالتا ہے، ایک پورے قبیلے کا صفایا کر ڈالتا ہے یا ایک پوری قوم کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگر اسے پھانسی کی سزا دے بھی دی جائے تو کسی صورت بھی اس کی سزا، اس کے جرم کے مساوی نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس ایک دوسری مثال پر غور کیجیے۔ ایک شریف آدمی، ایک خاندان یا ایک قبیلے کو بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے، لیکن اسے اس کی قربانی کا اس دنیا میں کوئی صلہ نہیں ملتا۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دنیا، اعمال کی اخلاقی جزا و سزا کی جگہ نہیں ہے۔ انسان اپنے بھلے یا برے اعمال کی جزا یا سزا اس دنیا میں نہیں پا سکتا۔ لیکن اگر عقل کا تقاضا، اخلاق کا مطالبہ اور سماج کی ضروریات کی تکمیل ہونی ہے تو موت کے بعد ایسا موقع ضرور آنا چاہیے جب ہمارے اعمال کی پوری جزا و سزا ملے۔ موت کے بعد لازماً ایک اور زندگی آنی چاہیے، جس میں موجودہ ڈھانچے کی جگہ ایک دوسرا ڈھانچا ہو جو لازوال مسرت اور ہمیشہ کی مصیبت کا محل بن سکے، بغیر اس کے کہ ہماری شخصیت مجروح ہونے پائے۔ اس غرض کے لیے کائنات کے موجودہ نظام کی جگہ ایک دوسرے نظام کا قیام ضروری ہوگا، جس میں یہ تبدیلیاں ممکن ہو سکیں۔

مولانا مودودی وضاحت کرتے ہیں: انسانی عقل صرف یہیں تک ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ لیکن جس چیز کا مطالبہ انسانی عقل کرتی ہے، وہ عملاً واقع ہوگی یا نہیں؟ اس کی خبر، صرف خدا کے انبیا ورسل علیہم السلام ہی دے سکتے ہیں۔ ان بزرگوں کا بیان ہے کہ موت کے بعد ہمیں ایک دوسری زندگی ملے گی، جس میں ہمیں اس زندگی کے اعمال کی پوری پوری جزا وسزا دی جائے گی۔ مزید یہ کہ مکافات کا یہ عمل، موت کے فوراً بعد شروع ہو جائے گا اور اس عمل کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں کہ انسان کو کس طرح دوبارہ زندگی دی جائے گی اور کس طرح اعمال کی جزا وسزا ملے گی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب یہ موجود نظام یکسر تباہ ہو چکا ہوگا اور ایک نیا عالم اس کی جگہ لے لے گا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ نئی زندگی ایک طرح سے اس موجودہ زندگی ہی کا تسلسل ہوگی۔ ہم وہی ہوں گے، جو اَب ہیں، لیکن ایک دوسرے اعتبار سے ہم مختلف بھی ہوں گے کیونکہ اس تغیر کے بغیر جزا وسزا کا اہتمام ناممکن ہوگا۔ پیغمبران کرام علیہم السلام کو صرف اس حقیقت کی خبر ہی نہیں دی گئی، بلکہ اس کا مشاہدہ بھی کرادیا گیا ہے۔

ہم میں سے اکثر لوگ انبیا علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایمان واعتقاد کا مسئلہ ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں، جن کے لیے یہ مشاہدے کا درجہ رکھتا ہے، وہ قبور میں پیش آنے والے اموروواقعات کا، اللہ کے خاص فضل سے مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں۔

مولانا مودودی اپنی کتاب اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، میں حیات بعد الممات کے بارے میں اس متبادل نظریے کا جائزہ بھی لیتے ہیں، جو ہندوؤں میں حیات بعد الموت کے سلسلے میں پایا جاتا ہے اور جس کے موید بعض یونانی مفکرین بھی تھے۔(۱۱) اس نظریے کو کرم کا قانون(۱۲) کہا گیا ہے۔ اس نظریے کی رو سے:

---

(۱۱) سید مودودی: اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی۔ ص ۲۸۲۔۲۹۰

(۱۲) اس نظریے کے مطابق ہر انسان کو اپنی موجودہ زندگی میں ان اچھے برے اعمال کے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں، جو پہلے جنم میں اس سے سرزد ہوئے تھے۔

ہمارے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ایک خاص قاعدے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اس قانون کا نفاذ مستقبل کی کسی دوسری دنیا کے بجائے اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ موت کے بعد یہ جسم تو فنا ہو جاتا ہے، لیکن روح ایک نئے جسم کو اختیار کر لیتی ہے۔ اگر ہمارے اعمال اچھے ہوں تو دوسری زندگی میں ہماری روح ایک برتر جسم یا وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے حتی کہ جسم کی ضرورت سے بالکل بے نیاز ہو کر قطعاً آزاد ہو جائے اور ''مکتی'' (نروان) حاصل کر لے۔ دوسری صورت میں اگر ہم برے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں تو ہماری روح کسی کم تر درجے کے جسم میں منتقل ہوتی ہے، خواہ وہ کسی نچلی ذات کا جسم ہو یا کسی جانور، درخت حتیٰ کہ پتھر کا ٹکڑا ہو۔

''کرم'' کے اس نظریے پر مولانا مودودی نے کئی اعتراضات کیے ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس نظریے کی رو سے حیوانات یا نباتات کے اعمال بھی نیک و بد ہوتے ہیں اور جزا و سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں، جو قرین قیاس نہیں ہے۔ اس نظریے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہر خواہش، خواہ نیک ہو یا بد، روح کو داغ دار کرتی ہے اور اسے جسمانی یا نفسیاتی خواہشات کا قیدی بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اس کی رو سے مثالی زندگی صرف تارک الدنیا راہب یا سادھو کی زندگی ہوتی ہے۔ ''کرم'' کا اصول توبہ اور اصلاحِ احوال کے امکان کی بھی نفی کرتا ہے۔

آزادیِ ارادہ

۱۹۳۵ میں ایک سوال کے جواب میں، مولانا مودودی نے اپنی کتاب **مسئلۂ جبر و قدر** سپردِ قلم کی۔ ابتدائی صفحات میں مولانا مودودی نے اس بحث کا خلاصہ پیش کیا ہے، جو اس موضوع پر مابعد الطبیعیات، سائنس، اخلاقیات اور علم کلام کی کتابوں میں آئی ہے، اور آزادیِ ارادہ اور جبریت دونوں ہی کے قائلین کے نظریات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے، جن

اس جائزے سے مولانا مودودی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دونوں ہی نظریات کے حاملین کے پاس اپنے حق میں مضبوط دلائل موجود ہیں، اس لیے کسی ایک مکتبِ فکر کو اپنا لینا اور دوسرے کو رد کردینا مشکل ہے۔ اس کے بعد وہ اس مسئلے پر قرآن کریم کے بیانات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض مقامات پر قرآن کریم اچھے برے، سب اعمال کو انسان سے منسوب کرتا ہے اور ان پر سزا و جزا کا وعدہ کرتا ہے۔ دوسرے مقامات پر وہ تمام اعمال کو باری تعالیٰ سے منسوب کرتا ہے۔ بعض جگہ وہ شر کے لیے انسان اور شر کو ذمے دار ٹھیراتا ہے اور بعض مقامات پر ان کا مبدأ ذات باری تعالیٰ کو قرار دیتا ہے۔ ایک موقع پر وہ یہ کہتا ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی رضا کے بغیر کسی عمل پر قادر نہیں، دوسری جگہ وہ رضاے الٰہی کے برخلاف عمل کرنے پر انسان کی مذمت کرتا ہے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ سطح بین حضرات کی نظر میں یہ بیانات ایک دوسرے سے متضاد دکھائی دیتے ہیں، لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ جو کچھ بھی اس جہاں میں وقوع پذیر ہوتا ہے، وہ محض کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ ایک خط لکھنے میں بھی ہمارے ذہن اور ہاتھ کے علاوہ خارجی ماحول اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بھی دخل ہوتا ہے، اس لیے قرآن مجید کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں۔ وہ ایک فعل کو کبھی ایک سبب سے منسوب کرتا ہے اور کبھی دوسرے سے اور کبھی تیسرے سے۔

مولانا مودودی کہتے ہیں کہ ان سب فرمودات سے قرآنِ حکیم کا مقصود، پیچ در پیچ، نظامِ اسباب کا ذکر، یا اس کی وضاحت نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد عملی ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں ایمان، یقین، ولولہ، حوصلہ، محبت اور ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے اور الجھن، مایوسی، خوف، بزدلی، ہوس اور حسد سے ہمیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم تمام اسباب و علل (عضوی، سماجی، انسانی یا اُلوہی) سے آگاہ ہو جائیں، جو کارگاہِ حیات میں عمل پیرا ہیں اور ان پیچیدہ طریقوں کو جان لیں، جن کے ذریعے وہ بروے کار آتے ہیں۔[۱۳]

(۱۳) سید مودودی: مسئلۂ جبر و قدر، ص ۷۷۔۷۸

جس چیز کا ہمیں یقین ہونا چاہیے وہ صرف یہ ہے کہ ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔ ایک، دوسرے کی کلی نفی نہیں کرتا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ ان اسباب میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ اس ضمن میں قرآن کے احکام ہی باہم متصادم ہیں۔ عقل بھی اپنے طور پر ان میں کسی تضاد کی نشان دہی نہیں کر سکتی۔

شر

وجودِ باری تعالیٰ سے انکار کے لیے، ملحدین اکثر یہ دلیل دیتے ہیں کہ دنیا میں بڑے پیمانے پر شر اور فساد کا غلبہ ہوتا رہتا ہے۔ خصوصاً سماوی آفات، زلزلے، سیلاب، آتش زدگی اور قحط سالی، جن سے بے شمار معصوم جانیں اور املاک تلف ہو جاتے ہیں اور وسیع پیمانے پر مصائب پیدا ہوتے ہیں۔ ملحدین کہتے ہیں کہ یہ صورت حال ایک دانا و بینا، رحیم و کریم اور قادرِ مطلق خدا کے تصور کے منافی ہے۔

اپنے ایک مضمون ''کوتاہ نظری (۱۴)'' میں مولانا مودودی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دو معاملات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں:

ایک یہ کہ بعض اوقات حکومتیں عام فلاح و بہبود کے لیے، جو اقدامات کرتی ہیں، ان سے ایک قلیل طبقے کو چند ناگزیر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، وہ گلہ شکوہ کرتے ہیں اور حکومت کو مطعون کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ حکومت کے حقیقی مقصد سے واقف ہوتے تو کبھی شکایت نہ کرتے اور نہ حکومت کو برا بھلا کہتے۔

دوسرے یہ کہ عام طور پر ایک باغ کے مالی کو، باغ درست حالت میں رکھنے کے لیے اور زیادہ سے زیادہ خوب صورت بنانے کے لیے، کبھی بعض پودوں کی تراش خراش کرنی پڑتی ہے، کبھی ان کی جگہ بدلنی ہوتی ہے اور کبھی انھیں جڑ سے اکھاڑ کر باہر پھینکنا پڑتا ہے۔ جو پودے اس طرح متاثر ہوتے ہیں، اگر ان کے پاس زبان ہوتی تو وہ بھی یقیناً شکایت

کرتے۔ لیکن اگر وہ پودے باغ کا جائزہ لے سکتے اور مالی کے انتظامات کو سمجھ سکتے تو ہرگز معترض نہ ہوتے۔

مولانا مودودی کا کہنا یہ ہے کہ ہماری حیثیت اس بے حد وسیع، بے انتہا پیچیدہ اور انتہائی خوب صورت کائنات میں کسی طرح بھی ایک ملک کے اس قلیل طبقے سے، جس کو حکومت کے کسی اقدام سے شکوہ ہوتا ہے، یا اس وسیع باغ کے چند پودوں سے، جو مالی کے بعض اقدامات سے متاثر ہوتے ہیں، کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ پوری کائنات کا جائزہ لے سکیں۔ اس کے نظامِ عمل کو سمجھنے سے تو ہم اور بھی قاصر ہیں۔ اگر ہم شر اور فساد کی موجودگی کو ذاتِ باری تعالیٰ کے عدم وجود کی دلیل بناتے ہیں تو ہماری یہ دلیل یا شکایت کسی طرح بھی اس تکلیف زدہ اقلیت سے مختلف نہ ہوگی، جسے حکومت کے خلاف شکایت ہوتی ہے یا ان چند پودوں کی شکایت سے بہتر نہ ہوگی، جو مالی کے تراش خراش سے متاثر ہوتے ہیں۔

❀❀❀❀

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
NEW DELHI
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز